سفیر احمد☆

تصوف اور انسانی عظمت کا تحقیقی جائزہ

Abstract:

The aim of the study is to describe how mysticism can help to curb terrorism across the global. According to its proponents mysticism is based on obedience and love for God which helps a perse not only to discover a creator but his own self also. All school of mysticism agree that a man cannot achieve godliness if he ignores his fellow human beings. Man holds the central position in the teachings of all religions and by discovering the secrets of the universe he has justified his title of "crow of the creations". Even in the secular western traditions which have done away with the traditional religious teachings, man has been assigned a dignified position. Humanism takes precedence over everything; Both mysticism and secular humanism agree on the fact that humanity is above everything In other words mysticism can be called a religion of compassion for other human beings. It raises above creed sect and tribal differences. Mysticism considers human species one family. Therefore mysticism can help in resolving religious national and class difference Mysticism is even more important in this modern age because hatred, terrorism and extremism are important everywhere. No other school of thought can help to unite the whole of humanity on one platform as mysticism does. To sum up these is a dire need of promoting mysticism in both conceptual and practical spheres.

☆ایم۔فل اُردو، شعبہ اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج پسرور

This is the only way for man to regain his lost-glory and turn this world into a peaceful place.

Key words: Mystics, Humanism, Global Terrorism, School of thought.

تصوف عرفان الٰہی کی تعلیمات سے آراستہ ایک دبستان ہے۔ جس کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ ان تعلیمات سے قرب الٰہی کے حصول کے ساتھ ساتھ عرفان ذات بھی ملتا ہے۔ تصوف کے دبستان کی اساس تزکیہ نفس، اطاعت الٰہی اور عشق و محبت کے ستونوں پر استوار ہے۔ گو صوفیا کے ہاں بہت سے مکاتیب فکر نے جنم لیا مگر ان سب کی تعلیمات درج بالا اساس پر ہی استوار ہیں۔ صوفیا کے نزدیک خدا کا عرفان، عرفان ذاتاور عرفان انسان سے گہرے طور پر مشروط ہے۔ انسان کو نظر انداز کر کے قرب الٰہی کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ خدا کی طرف جانے والے تمام راستے انسانوں میں سے گزر کر جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خدا کی گزر گاہ کا نام انسان ہے۔ ایسی صورت حال میں انسان کی عظمت اور اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ اسی سبب اقبال نے کہا تھا:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا (۱)

تمام سماوی و ارضی مذاہب کا مرکز و محور انسان ہے، مذہبی تناظر میں دیکھیں تو یہی انسان ہے جو مسجود ملائک ہے۔ اسی انسان کے لیے زمین و آسمان بنائے گئے اور پھر نیابت الٰہی جیسا اہم فریضہ انہیں سونپ دیا گیا۔ اشرف المخلوقات کا درجے پر فائز ہونا اور اس کائنات کو اپنے ڈھب پر چلانا، یقیناً یہ ایسے فرائض تھے جن نے انسان کی حاکمیت دنیا و مافیہا پر مستحکم تر کر دی۔ پوری کائنات انسان کے لئے مسخر کر دی گئی۔ اور انسان ایک ایک کر کے کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھاتا اور اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑھتا چلا جارہا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا سہرا انسان کے سر جاتا ہے کیونکہ انسان اس کائنات میں خدا کا نائب اور اشرف المخلوقات ہے۔ یہی سبب ہے کہ تمام (ارضی و سماوی) مذاہب کا مخاطب انسان ہی رہا ہے۔

غیر مذہبی تناظر (مراد جن لوگوں نے مذہب سے انکار کر کے اس کا بطلان کیا) میں دیکھیں تو انسان کی اہمیت کسی طور پر کم نہیں ہوتی بلکہ پہلے سے کہیں بڑھ جاتی ہے۔ مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے بعد مذہب اور خدا کا انکار کر دیا گیا۔ اہل مغرب کے اس طرز عمل سے اڑھائی ہزار سالہ پرانی تہذیب (یونانیوں نے جس کی بنیاد رکھی اور رومیوں نے جس کی شیرازہ بندی کی) پر خط تنسیخ کھینچ گیا۔ اتنے بڑے پیمانے پر شکست و ریخت سے اٹھنے والا سیل مذہب اور مذہبی اقدار سب کچھ اپنے ساتھ بہالے گیا اور باقی بچا صرف انسان۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد مغرب "انسان دوستی" کا رجحان توانا ہوتا گیا جس کا اظہار اس دور کی تحاریک میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یوں مغرب میں انسان پرستی کا آغاز ہوا۔ اور انسان کو کائنات

میں مرکزی حیثیت کا حامل قرار دے کر تمام علوم و فنون کا رخ انسان کی طرف موڑ دیا گیا۔ انسان کو کائنات کا انکشاف کنندہ قرار دیتے ہوئے کائناتی تنظیم کو بھی انسانی شعوری کاوش سے تعبیر کیا گیا۔ فرانسیسی مفکر ژاں پال سارتر کے بقول:

> "ہمارے تمام تر تصورات اس شعوری عمل سے تشکیل پاتے ہیں کہ انسانی حقیقت " انکشافکنندہ" ہے۔ مراد یہ کہ ہونے کا ثبوت انسانی حقیقت کی وساطت سے ملتا ہے۔ اسے دوسرے انداز میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان وہ ذریعہ ہے جس کے وسیلے سے اشیا اپنا مفہوم پاتی ہیں۔ یہ دنیا میں ہماری موجودگی سے جو تعلقات دیتی ہے۔ یہ ہم ہی ہیں، جنہوں نے اس درخت اور آسمان کے کے درمیان ایک ربط قائم کیا ہے۔ ہمارا شکریہ ادا کیا جانا چاہیے کہ ہم نے ہزاروں سال سے مردہ پڑے ہوئے ستارے، بجھے ہوئے چاند اور تاریک دریا کو لینڈ سکیپ کی ایک وحدت کے طور پر آشکار کیا۔ یہ ہماری کار اور ہوائی جہاز کی رفتار ہے، جس نے زمین کی عظیم وسعتوں کو ایک تنظیم عطا کی ہے۔ ہمارے ہر عمل سے کائنات ہمارے سامنے نئے چہرے منکشف کرتی ہے۔" (۲)

انسان دوستی کے رجحان نے فرد (انسان) کی اہمیت کے احساس کو باور کرایا لیکن بدقسمتی سے قومیت کے تصور نے اس کی وسعت کو محروم کر دیا۔ یوں انسان دوستی کا یہ وسیع دھارا کئی حصوں میں بٹ گیا لیکن انسان کی مرکزیت برقرار رہی۔

اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں:

> " فکری سطح پر صوفیا کی تحریک نے خدا کی واحدانیت کو اپنا موضوع بنایا۔ مساواتِ انسانیکو فروغ دیا۔ بندہ و آقا کے درمیان حائل پردوں کو ہٹانے کی سعی کی اور کسی مخصوص زبان کی بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔" (۳)

مذہبی اور غیر مذہبی، ہر دو حوالوں سے انسان اس کائنات میں بنیادی اور اساسی اہمیت کا قائل ہے۔ دوسرے لفظوں میں تصوف کو انسانیت کا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں مذہب، عقیدہ، مسلک اور ذات پات سے صرف نظر کرتے ہوئے انسانیت کو اہم گردانا جاتا ہے۔ تصوف کی تعلیم انسان دوستی، عالمگیر انسانی برادری پر زور دیتی ہے اور عام آدمی کو انسان بناتی ہے۔ لہٰذا اس کے سہارے باہمی اختلافات کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ تصوف نے انسان دوستی کا ایسا وسیع تصور دیا، جس میں مذہبی، مسلکی، قومی اور طبقاتی اختلافات کے خاتمے میں بڑی مدد ملی۔ اس تناظر میں دیکھا تو عہد حاضر میں تصوف کی اہمیت و ضرورت ماضی کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ آج کے اس پر آشوب دور میں مذہبی و مسلکی اختلافات نے انسانوں کو باہم دست و گریباں کیا ہوا ہے۔ یہی صورت حال اقوام عالم میں مختلف قوموں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ طبقاتی تفریق

سے بھی بنی نوع انسان دھڑوں میں بٹ چکی ہے۔ علاقائی و لسانی تعصبات نے بھی انسانی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس ساری صورت حال میں بنیادی خرابی انسانی یکجہتی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اب اس خرابی / بیماری کی تشخیص کے بعد اگلا مرحلہ اس کے تدارک کا ہے۔ دنیا میں رائج کسی مذہب، نظام، تحریک یا رجحان میں یہ صلاحیت نہیں کہ مختلف دھڑوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو کسی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر سکے۔ سوائے تصوف کے، تصوف، وسیع المشرب مکتب ہے۔ جہاں درج بالا مسائل کی چنداں اہمیت نہیں۔ یہاں معیار صرف اور صرف انسان اور انسانیت ہے، باقی سب کچھ اضافی ہے۔

تصوف کی وسیع المشربی، صوفیا کی تعلیمات اور ان کے کردار، ہر دو حوالہ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ منصور حلاج کا خیال تھا کہ تمام دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان کے اختلافات فروعات کی حد تک ہیں لیکن جہاں تک ان کی اصل کا تعلق ہے وہ سب کی ایک ہے۔ تمام ادیان کا مرکز اور منبع خدا ہی ہے۔ طریقے اور راستے مختلف ہوسکتے ہیں مگر منزل سب کی ایک ہی ہے۔ جب تمام مسافران دنیا کی منزل ایک ہے تو پھر باہمی منافرت چہ معنی دارد؟ انا، غرور، گھمنڈ، احساس برتری، بغض، کینہ اور فساد جیسے جذبات و احساسات کو بے معنی بنانے کا بیڑا صوفیا کرام نے اٹھایا اور پھر دنیا بھر میں پھیل گئے۔ تصوف کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو کھلتا ہے کہ ان کی تمام تعلیمات آدمی کو انسان بنانے کے عمل پر محیط ہیں۔ انسان دوستی، رواداری، حسن خلق، خدمت خلق، وسیع المشربی، اخلاقی بلندی، دنیا کی بے ثباتی، فقر و استغنا، رضائے الٰہی، توکل الٰہی، قلبی طہارت اور خشیت الٰہی سمیت تمام موضوعات انسانوں سے متعلقہ ہی ہیں۔ تصوف میں پہلی منزل ہی عرفان ذات ہے۔ صوفیا کا ماننا ہے کہ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ پس طے ہوا کہ اثبات ذات کی تمام منازل، عرفان ذات کے بعد کی ہیں۔ بدقسمتی سے آج کے دور میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جو بنیادی انسانی اوصاف سے محروم ہیں۔ ان کی عادات و اطوار دیکھ کر انہیں انسان ماننے میں تامل ہوتا ہے۔ ایسے شتر بے مہار انسانوں کو انسانیت کی تعلیم تصوف کے دبستان سے مخصوص ہے۔ صوفیا نے اپنے اقوال و افعال سے انسانیت سے نابلد درندوں اور حیوانوں کو انسان بنایا۔ لہٰذا آج کے دور میں تصوف کا مکتب اس لئے بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ ایسے لوگ جو انسانی اوصاف سے محروم ہیں، ان کی تطہیر جذبات کی جائے۔ ان کے اندر سوئے ہوئے انسان کو بیدار کیا جائے تاکہ وہ نہ صرف خود اچھے انسان بنیں بلکہ انسانیت کے لیے بھی مفید ثابت ہوں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی بیان کرتے ہیں کہ:

> "تصوف کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دنیا کے دوسرے تمام علوم و فنون سے متمیز کر دیتی ہے، یہ ہے کہ اس کی بدولت خدا انسان کا محبوب بن جاتا ہے۔" (۴)

تصوف کی تعلیمات نے ہماری بہت سی معاشرتی (تفاریق) تفریقوں کو نشانہ بنایا۔ اور ان کے ضرر رساں اثرات میں کمی لانے میں مقدور بھر حصہ ڈالا امیر اور غریب کی تفریق دیگر معاشرتی مسائل سے سوا ایک مسلہ ہے، جس سے بہت مسائل نے جنم لیا ہے۔ صوفیا عظام نے

جہاں دیگر سماجی برائیوں کو رد کیا اس کے ساتھ ساتھ دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلا کر جب جاہ و مال پر کاری ضرب لگائی۔ مال و متاع کی ہوس کو قابل نفرین گردانا اور اسے دنیا و آخرت کے لیے ناسور سے تعبیر کیا۔ صوفیا کرام نے اپنے تئیں جاہ و ثروت کے اس اژدھے کا راستہ روکا جو مسلسل انسانوں کو نگلنے میں مصروف عمل تھا۔ آج کا انسان اگر صوفیا کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے تو دنیا میں غربت کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ انسانی استحصال کا ایک بڑا سبب سرمائے کی غیر مساویانہ تقسیم ہے اور احساس ملکیت ہے۔ تصوف نے اس احساس ملکیت کو بے دخل کیا اور اپنی جولاں گاہ باہر کی دنیا چھوڑ کر داخل کی دنیا کو قرار دیا۔ تصوف نے تعلیم دی کہ انسان کی اصل دنیا اس کی باطنی دنیا ہے اور بعینہ اصل سفر بھی باطن کا سفر ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (۵)

تصوف کا مکتبہ دنیا کو امن آشتی، عدم تشدد اور رواداری کا پیغام دیتا ہے۔ صوفیا کرام نے ساری دنیا کو محبت اور امن کا پیغام دیا۔ ان کی تعلیمات سے کروڑوں دل آباد ہوئے اور اب بھی یہ نسخہ برابر کار گر ہے۔ آج بھی اس نسخہ کیمیا پر عمل پیرا ہو کر بنی نوع انسان کے اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کیا جا سکتا ہے۔ آلام دنیوی سے ستائے ہوئے دلوں کے لئے تصوف کی شکل درماں موجود ہے، جو زندگی میں محبت و راحت کے چراغ روشن کر کے اس کی کلفتوں کو چن سکتا ہے۔ تصوف نے انسانیت سے محبت کا درس دیا جس کے نتیجے میں اپنے پرائے کی تخصیص سے اوپر اٹھ کر پوری دنیا سے محبت اور بھلائی کا جذبہ پیدا ہوا۔ یہ ان تعلیمات کا اثر ہی تھا کہ جہاں جہاں صوفیا کرام نے قیام کیا وہاں وہاں امن و آشتی کے چراغ جگمگا اٹھے جس سے بنی نوع انسان فیض یاب ہو رہی ہے۔ ان چراغوں کی روشنی بتدریج بڑھتی جا رہی ہے۔ جیسے جیسے دنیا ظلم و ستم کے اندھیروں سے اٹھتی جا رہی ہے ویسے ویسے ان چراغ کی ضیا بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب دنیا امن و آشتی کو تلاشتی ان چراغوں تک رسائی حاصل کر لے گی اور پوری کائنات امن و محبت سے معمور ہو جائے گی۔ پروفیسر غوث سیوانی بیان کرتے ہیں:

> " آج جن مسائل سے دنیا دوچار ہے، ان میں سب سے اہم ہیں سماجی تشدد، باہمی منافرت، دہشت گردی، عدم مساوات، حقوق انسانی کی پامالی، دولت اور انسانی وسائل کی منصفانہ تقسیم، قلبی و ذہنی سکون کی کمی، اخلاقی خرابیاں اور ان کے دم سے پیدا ہونے والے مسائل۔ تصوف کی یہ خوبی ہے کہ یہ ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔" (۶)

عالمی منظر نامے پر نظر ڈالیں تو انسان مختلف مسائل کا شکار نظر آتا ہے۔ ان مسائل میں ایک بڑا مسلہ دہشت گردی بھی ہے، جس نے انسانیت کا امن و سکون غارت کر رکھا ہے۔ کیا عجب تماشا ہے کہ انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے۔ عدم برداشت کا رویہ فرد سے اوپر اٹھ کر اقوام تک میں سرایت کر چکا ہے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو دنیا، جنگل کے قانون کا منظر پیش کر رہی ہے، جہاں جو جتنا طاقت ور وہ اتنا ہی ٹھیک ہے۔ جنگل کا قانون یہی ہے کہ وہاں کوئی قانون نہیں ہوتا، ہر طاقتور جانور کمزور پر تصرف رکھتا ہے۔ کیا آج دنیا یہی منظر پیش نہیں کر رہی؟ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق طاقتور فرد، طاقتور اقوام، کمزور طبقوں اور کمزور اقوام کو دباتی چلی جا رہی ہیں۔ دہشت گردی کا رویہ اسی صورت حال کا زائیدہ ہے۔ انسانی معاشرہ بقائے باہم کے دستور پر چلتا ہے۔ بقائے باہم کا دستور اقوام متحدہ کے مسلمہ حقوق کا حصہ ہے۔ یوں بھی منطقی بات ہے کہ اگر انسان، خون انسانی کی حرمت پامال کرے گا تو یہ دنیا تہس نہس ہو جائے گی۔ اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ جیسا کہ دہشت گردی کے رویے نے انسانی سکون تباہ و برباد کر رکھا ہے۔ بقائے باہم کے دستور کو توڑنا ہی دہشت گردی ہے۔ اب چاہے کوئی فرد اس کا مرتکب ہو یا کوئی قوم وہ دہشت گرد کہلائے گی۔ ملکی اور بین الاقوامی قوانین اس ممکنہ دہشت گردی کو روکنے کی سعی ہیں تاکہ قانون کے ڈر سے لوگ اس جرم کا ارتکاب نہ کریں۔ مگر صوفیا نے دہشت گردی، عدم برداشت، تشدد، استحصال جیسے منفی جذبات کی تطہیر اور ان سے بچاؤ کا ایک مختلف راستہ اپنایا ہے، وہ راستہ احترام انسانیت تھا۔ صوفیا نے اپنے قول و فعل سے اپنے پیروکاروں کے دل میں احترام انسانیت کے جذبات راسخ کئے۔ اپنی تعلیمات سے عظمت انسانی کا پرچار کیا۔

انسان اس ارض پر خدا کا نائب ہے لہٰذا انسان کی شکل میں خدا خود انسان کی ہر جگہ نگرانی کر رہا ہے اور پھر کائنات کی ہر شے اسی کے جلوؤں کا مظہر ہے۔ تصوف کی بھی یہی تعلیم ہے کہ ہر من میں وہ ذات کبریا جلوہ افروز ہے۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ انسان کو کوئی آزار پہنچے اور ذات کبریا اس سے متاثر نہ ہو۔ تصوف کی تعلیمات میں پہلا سبق ہی احترام انسانیت ہے۔ تصوف انسان کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے کہ احترام انسانیت، فرد کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ تو پھر وہ فرد دہشت گردی سمیت جملہ ظلم و ستم والے امور کی طرف کیسے راغب ہو سکتا ہے۔ تصوف تطہیر جذبات کرتا ہے۔ دلوں کی میل کچیل اور تمام طرح کی برائیوں سے دل کو طاہر اور پاک کر دیتا ہے۔ جب دل دنیاوی خرخشوں سے پاک ہو جائے تو خالقِ حقیقی سے ایسا روحانی ربط بنتا ہے کہ دل کے آئینے میں پوری کائنات منعکس ہونے لگتی ہے۔ یہ انسانی دل ہی ہے کہ جس میں خالق ارض و سما اپنی بے انتہا وسعتوں کے ساتھ جلوہ مکیں ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اختر شمار اس حوالے سے کیا خوب کلام پیش کرتے ہیں:

؎ کوئی طالب ہے دولت کا
کسی کو خبط شہرت کا (۷)

؎ کسی کو خواہش دنیا کی
کسی کو بوجھ جنت کا (۸)

؎ کسی کو تخت کا لالچ
کسی کو حرصِ مختاری (۹)

؎ مگر اے بادشاہِ من
ہمیں تیری تمنا (۱۰)

خالق حقیقی کا روحانی قرب، انسانیت سے محبت کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ابو بن ادھم کا واقعہ یاد کیجیے جب ایک رات وہ اپنی خواب گاہ میں محو استراحت تھے تو وہ بیان فرماتے ہیں کہ میری خواب گاہ یکایک روشنی و نور سے بھر گئی جس باعث میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک نورانی شخصیت (جس کے پورے جسم سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں) خواب گاہ کے ایک کونے میں تشریف فرما ہے اور کچھ لکھ رہے ہیں۔ ابو ابن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بستر سے اٹھا اور ان کے پاس چلا گیا اور استفسار کیا کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا لکھ رہے ہیں؟ اس شخصیت نے جواب دیا کہ میرا نام جبرائیلؑ ہے اور میں ان لوگوں کی نام کی فہرست بنا رہا ہوں جو اللہ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ کیا میرا نام بھی لکھا جا سکتا ہے؟ جواب اثبات میں ملا تو عرض گزاری کہ میرا نام اس فہرست میں شامل کر لیں جو اللہ کے بندوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابو بن ادھمؒ مزید فرماتے ہیں کہ انھوں نے میرا نام لکھا اور چلے گئے۔ اگلی رات پھر وہی ماجرا ہوا اب کہ میں نے استفسار کیا کہ آج آپ کیا لکھ رہے ہیں تو جواب میں اس شخصیت نے ایک فہرست میری جانب بڑھا دی۔ جب میں نے وہ فہرست دیکھی تو اس پر لکھا تھا ان لوگوں کے نام جن سے اللہ بہت محبت کرتا ہے۔ تو ابن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرا نام سب سے اوپر لکھا ہوا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرب الٰہی اور خوشنودی خدا کے لیے بنی نوع انسان سے محبت کس قدر ناگزیر ہے۔ اسی سبب

صوفیا نے بلا امتیاز رنگ و نسل، قطع نظر مسلک و مذہب تمام انسانوں سے یکساں محبت کا درس دیا ہے، کیونکہ انسان اس دنیا میں سب سے بڑا مظہر خداوندی ہے۔

ایک ایسا مکتب / مسلک جس کی بنیادی فکر ہی انسانی احترام پر استوار ہے، جہاں انسان کا دل توڑنا جرم عظیم ہو (کیونکہ دلوں میں رب رہتا ہے) بھلا کیسے ممکن ہے کہ اس مکتب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسانی مسائل کا تدارک نہ کیا جاسکے؟ کیسے ممکن ہے کہ دہشت گردی جیسے ناسور کا علاج نہ کیا جاسکے؟ کیسے ممکن ہے کہ انسانی بے توقیری کے سیل کو روکا نہ جاسکے؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کی تعلیمات کا نہ صرف مطالعہ کیا جائے بلکہ ان پر عمل پیرا ہو کر ان کی تعلیمات کا عملی اور فکری ہر دو سطحوں پر پرچار بھی کیا جائے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ دنیا امن و آشتی کا گہوارہ نہ بنے۔ کیسے ممکن ہے کہ مسجود ملائک اپنی کھوئی ہوئی عظمت نہ حاصل کرلے۔ عصر حاضر میں تو یہ ضرورت اور بھی شدت اختیار کر جاتی ہے جب ہر طرف افراتفری کا سماں ہے؟ سکون قلب و اذہان مفقود ہو چکا ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے ہماری نوجوان نسل گمراہی اور بے راہ روی کا شکار ہے۔ یہ سارے عوامل مل کر انسانوں کو نفسیاتی عوارض کا شکار بنا رہے ہیں۔ ان سب مسائل کو سلجھایا جاسکتا ہے۔ آج کے انسان کے دکھوں کا درماں کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے تصوف کی تعلیمات۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور صوفیا کی مجالس میں شریک ہو کر لوحِ دل پر جما زنگ اتار کر شیشہ دل کو صقیل کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

۱۔ علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال،(لاہور: بک کارنر شوروم، ۲۰۱۲ء) ، ص۷۷

۲۔ ژاں پال سارتر: کیوں لکھا جائے،(مترجم: نسیم شاہد) مشمولہ سارتر کے مضامین (مرتبہ فہیم شناس کاظمی)،
(کراچی: بک ٹائم، ۲۰۱۲ء)، ص:۱۴۵

۳۔ ڈاکٹر انور سدید: اردو ادب کی تحریکیں،(لاہور: انجمنِ ترقی اردو، پاکستان اشاعت ہشتم ۲۰۱۳ء)، ص:۱۵۰

۴۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی: تاریخِ تصوف،(لاہور: دارالکتاب غزنی سٹریٹ اردو بازار، اشاعت ۲۰۱۶ء)، ص:۲۸۰

۵۔ علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال،(جہلم: بک کارنر شوروم، اشاعت ۲۰۱۲ء)، ص:۱۷۶

۶۔ غوث سیوانی: جدید دنیا کہ مسائل اور تصوف،(دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۲ء)، ص:۲۱

۷۔ ڈاکٹر اختر شمار: ہمیں تیری تمنا ہے،(لاہور: القمر انٹرپرائز، اشاعت ۱۹۹۶ء)، ص:۱۰۴

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ ایضاً۔

ماخذات

۱۔ اقبال، علامہ: کلیاتِ اقبال، لاہور: بک کارنر شوروم، ۲۰۱۲ء

۲۔ فہیم شناس کاظمی؛ مرتبہ: سارتر کے مضامین، کراچی: بک ٹائم، ۲۰۱۲ء

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر: اردو ادب کی تحریکیں، لاہور: انجمنِ ترقی اردو، پاکستان اشاعت ہشتم ۲۰۱۳ء

۴۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر: تاریخِ تصوف، لاہور: دارالکتاب غزنی سٹریٹ اردو بازار، ۲۰۱۶ء

۵۔ علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال، جہلم: بک کارنر شوروم، اشاعت ۲۰۱۲ء

۶۔ غوث سیوانی: جدید دنیا کہ مسائل اور تصوف، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، اشاعت ۲۰۱۲ء

۷۔ اختر شمار، ڈاکٹر: ہمیں تیری تمنا ہے، لاہور: القمر انٹرپرائز، اشاعت ۱۹۹۶ء